جذبائیت کی زنجیریں حقیقت پسندی سے ٹوٹتی ہیں

تحریر: سہیل احمد لون

ایران اور سعودی عرب کے تعلق میں پھر کشیدگی آئی جس کا اثر وطن عزیز میں صاف دکھائی دیا۔ ہماری قوم اپنے بنیادی حقوق کے حصول کے لیے اتنی جذباتی نہیں ہوتی مگر بعض معاملات میں جذبائیت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کرتی دکھائی دیتی ہے۔لطیفہ سننا اور سنانا ایک عام سی بات ہے اور ہمارے معاشرے میں سب سے زیادہ لطیفے پٹھانوں اور سکھوں پر بنائے جاتے ہیں۔ ویسے تو میں اس بات پر بالکل کلیئر ہوں کے پٹھانوں اور سکھوں کے خلاف لطیفے بنانے کا باقاعدہ سیل انگریزوں نے بنایا جس کا بنیادی مقصد دو جنگجو قوموں کو مسخرہ یا کم عقل بنا کر دوسرے لوگوں کے سامنے پیش کرنا تھا لیکن غلط العام اور غلط العوام نے اس کو روایت بنا دیا ہے اور انگریزوں کے جانے کے بعد بھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج میں تشکیل دیا جانے والا بھانڈوں پر مشتمل سیل آج بھی کہیں نہ کہیں کام کر رہا ہے۔ وزیرآباد کے ایک کالم نویس کی توجہ شہرت اور ناموری ہی لطائف ہیں جن سے وہ قارئین کو مسرور اور اپنے قائدین کو مسحور رکھتا ہے۔ میں اپنے اس کالم میں مجبوراً یہ لطیفہ شامل کر رہا ہوں اور اس کا مقصد صرف اپنی بات سمجھنا ہے نا کہ کسی قوم یا گروہ کی تذلیل کرنا۔ دوستوں کی محفل میں بیٹھے کسی ایک دوست نے لطیفہ سنایا کہ تقسیم ہند کے بعد گاندھی جی کی قائداعظم سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا ”جناح ہم سے کبھی پنگا نہیں لینا کیونکہ ہمارے پاس ایسی قوم ہے جو سب کچھ کرنے کے بعد سوچتی ہے کہ اس نے کیا کیا ہے“۔قائداعظم نے مسکرا کر جواب دیا ”مجھے فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں میرے پاس بھی ایسی قوم ہے جو سب کچھ کرنے کے بعد بھی نہیں سوچتی کہ اس نے کیا کیا ہے“۔ گاندھی کا اشارہ غالباً سکھوں کی طرف تھا جبکہ قائداعظم کا پٹھانوں کی طرف ......!اگر وطن عزیز کی موجودہ حالت دیکھی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہماری عوام میں ایسی خوبی بھی ہے جو "سکھ یا پٹھان" دونوں قوموں میں نہیں پائی جاتی۔ ہم میں یہ خاص بات ہے جو شاید کسی قوم میں نہیں کہ ہمارے ساتھ جتنا مرضی غیر انسانی رویہ رکھا جائے ،جتنی مرضی زیادتیاں کیں جائیں ، بنیادی حقوق کے حصول کیلئے ذلیل وخوار کیا جائے ، انصاف کے نام سے کھلواڑ کیا جائے ، مذہب کے نام پر نفاق ڈالا جائے ، آمر جمہوریت کا ڈھول بجائے ، جمہوری حکومتیں آمرانہ دھمال ڈالتی نظر آئیں ، غریب بے قصور لوگوں کو دہشت گردی کی بھینٹ چڑھایا جائے اور اشرافیہ ، سرمایہ دار اور جرنیل طبقہ خود بلٹ پروف گاڑیوں اور ہائی الرٹ سیکورٹی میں زندگی بسر کریں ، غریب اور امیر کے بچوں میں نصاب اور نظام تعلیم کا واضح فرق رکھا جائے ، مہنگائی بے روزگاری ، لوڈ شیڈنگ ، طبی سہولتوں کا فقدان ملک میں سیلابی ریلے کی طرح غریب کا ستیاناس کرتا رہے ، ڈینگی کے خاتمے کی صرف ڈینگیں ماری جائیں ، ریلوے ، پی آئی اے ، اسٹیل ملز ، او جی ڈی سی سمیت تمام بڑے ادارے تباہ کر دیے جائیں ، زرعی ملک ہونے کے باوجود آٹا ، چینی ، چاول کی قلت ہو جائے ، آدھا ملک تو گنوا دیا اور باقی ماندہ کے ٹکڑے کرنے کی بین الاقوامی سازشیں ہو رہی ہوں ، جس میں ہمارے اپنے نالائق اور بد دیانت آقا بھی اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے نظر آئیں ......مگر پھر بھی ہماری قوم ٹس سے مس نہیں ہوتی ......یہ نہیں بولتی ، یہ دیکھ کر بھی نہیں دیکھتی ، یہ سن کر بھی نہیں سنتی ، یہ سب کچھ جان کر بھی نہیں سمجھتی ، ان سے جیسا مرضی سلوک کرتے جاؤ مگر مجال ہے کہ ان کے

صبر کا پیمانہ نہ چھلک جائے۔ یہ اندھے، بہرے، گونگے اور سائیں ملنگ جیسی خصوصیت شاید دنیا میں کسی قوم میں نہ ہوں۔ اس سے بہتر تھا کہ ساری قوم ہی پٹھان ہوتی...... جو کچھ بھی ہونے پر یا کچھ بھی کر کے بے شک نہ سوچتی کہ اس نے کیا کیا ہے۔ بیکار سے بیگار بھلی...... یعنی کچھ نہ کرنے سے کچھ کرنا بہتر ہوتا ہے۔ وی آئی پی کلچر اور پروٹوکول کی وجہ سے جتنا مرضی خوار ہو جائیں، کیا مگر مجال ہے قوم کے مزاج میں کوئی فرق آیا ہو ہم بہت ڈھیٹ ہیں اس سے زیادہ ظلم سہنے کی شکتی ہے اس قوم میں...... یہ تو جوتے کھا کر بھی یہی کہیں گے قدم بڑھاؤ۔۔۔ ہم تمھارے ساتھ ہیں۔ ہر قوم کا ایک مزاج ہوتا ہے ہماری قوم کا کیا مزاج ہے؟؟؟ ہم اگر روزمرہ کی زندگی میں دیکھیں تو بعض افراد ایک خاص مزاج کے مالک ہوتے ہیں۔ بعض لوگ نہایت سخت گیر ہوتے ہیں، بعض خود پرست، بعض مغرور اور کچھ حلیم الطبع، کوئی پرسکون اور کوئی ملنسار، اور کوئی منکسر مزاج ہوتا ہے۔ اسی طرح قوموں کا بھی ایک مزاج ہوتا ہے، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ قوموں کا ایک مزاج بن جاتا ہے۔ قوم کے مزاج کے متعدد پہلو ہو سکتے ہیں۔ جن میں دو قابل ذکر ہوتے ہیں۔ بعض قومیں مزاج کے لحاظ سے جذباتی ہوتی ہیں اور بعض عقلی لحاظ سے۔ جذباتی قومیں وہ ہوتی ہیں جن کے بیشتر افراد اہم فیصلوں میں عقل سے زیادہ جذبات کو استعمال کرتے ہیں۔ عقلی قومیں وہ ہوتی ہیں جن کے افراد جذبات سے زیادہ عقل کو استعمال کرتے ہیں۔ قوموں کا مزاج چند دنوں میں نہیں بنتا بلکہ اس میں صدیاں تک لگ جاتی ہیں۔ جذباتی قوم کی پہچان زیادہ مشکل نہیں ہے اس کی کچھ علامات ہیں۔ مثلاً جذباتی قومیں ان فنون کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہیں جن کا تعلق جذبات سے ہوتا ہے۔ یعنی موسیقی، شاعری، مصوری، فن تعمیر وغیرہ اور ان علوم سے اجتناب کرتی ہیں جن کا تعلق عقل سے ہو یعنی فلسفہ، ریاضی، سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، ریسرچ وغیرہ۔ یہ قومیں حال کی تلخ حقیقتوں کو بھولنا چاہتی ہیں اور اس کوشش میں یا تو ماضی کی طرف مائل ہو جاتی ہیں یا مستقبل کی طرف۔ یا تو اپنے درخشندہ ماضی کی حکایات و روایات کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتی ہیں اور خوش رہتی ہیں یا پھر کسی آنے والے دور کی امید لگائے بیٹھی رہتی ہیں کہ سب خود بخود ٹھیک ہو جائے گا اور گزرا ہوا سنہری زمانہ پھر لوٹ کر آئے گا۔ پوری قوم ایک قسم کی رومانیت کا شکار ہو جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ یہی رومانیت اور جذباتیت قوم کا مزاج بن جاتی ہے۔ ذہنی اور فکری حالت پست ہو جاتی ہے اور قوم معاشی مسائل کا شکار ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ایک عام بے چینی، الجھن اور عدم تحفظ کا شدید احساس ہوتا ہے لیکن اس کا مداوا سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر سمجھ میں آ جاتا ہے تو ایسے علاج سوچے جاتے ہیں جو موجودہ حالات کے لیے نا قابل عمل ہوتے ہیں۔ قوم کبھی ایک سراب کی طرف بھاگتی ہے کبھی دوسرے کی طرف اور جب کبھی پیاس نہیں بجھتی تو جھنجھلا جاتی ہے۔ قوم کا مزاج جب جذباتی ہو جاتا ہے تو اس کے نتائج خطرناک اور دور رس ہوتے ہیں۔ سب سے خطرناک یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قوم کی فیصلے کی صلاحیت متاثر ہو جاتی ہے۔ فیصلوں میں عقل کم اور جذبات سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ اکثر صورتوں میں یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ پہلے کر لیا جاتا ہے، معلومات اور ان کا تجزیہ بعد میں کیا جاتا ہے۔ یعنی فیصلہ تو کسی جذبے کے تحت کر لیا جاتا ہے اور پھر شعوری اور غیر شعوری طور پر وہی معلومات جمع کیں جاتیں ہیں جو اس فیصلے کی تائید میں ہوں۔ جو حقیقتیں ان کو پسند نہیں ہوتیں ان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ متبادل امکانات کا تجزیہ صحیح طور پر نہیں کیا جاتا۔ فیصلے کی موافقت اور مخالفت میں دلائل کا معروضی طور پر جائزہ نہیں لیا جاتا۔ نہ اپنی طاقت کا صحیح اندازہ لگایا جاتا ہے اور نہ ہی دشمن کی۔ یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان کے فوری نتائج کا ردعمل کیا ہوگا۔ اسکے بعد عمل اور ردعمل کا سلسلہ دور تک جاتا ہے۔ فیصلہ کرنے والے تو زندہ یا برسر اقتدار نہیں

رہتے مگراس کاخمیازہ آنے والوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔صحیح فیصلے کرنے صلاحیت بھی مناسب تعلیم وتربیت کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتی۔کیونکہ تعلیم و تربیت کے ذریعے صحیح معلومات فراہم کیے جاسکتی ہیں اوران کا تجزیہ کرکے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔اس لیے تعلیمی نظام اور نصاب موجودہ دور کے ساتھ ہم آہنگ ہونا بہت ضروری ہے۔پیغمبر اسلام نے بھی علم حاصل کرنے کے لیے تمام ذرائع استعمال کرنے کی ہدایت فرمائی ہے،چاہے اس کے لیے چین کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے۔تعلیم کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ تعلیم ماضی کے ساتھ حال کا بھی احاطہ کرے۔زمانہ حال کے مختلف ملکوں اور قوموں کے نظریات سے متفق ہونا ضروری نہیں مگران سے آگاہی ہونا ضروری ہے۔ورنہ تعلیم ناقص رہ جائے گی۔اسلام نے تو تعلیم کے معاملے میں نہایت وسیع نظر رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے۔بہتر تعلیمی نظام انسان میں فکری آزادی پیدا کرتا ہے جو قوموں کو بڑے فیصلے کرنے میں مدد دیتی ہے۔اس کا مزاج عقلی کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔فکر کا مقابلہ صرف فکر سے ہی کیا جاسکتا ہے۔اگر فکر ناقص ہے تو خود اپنی نفی کرلے گی۔اگر اندازِ فکر غلط ہے تو وہ اپنی طاقت کھو دے گا اور ایک دوسرا اندازِ فکر پیدا ہو جائے گا۔قوم کا مزاج چند دنوں میں نہیں بدلا جاسکتا اس میں کئی نسلیں یا بعض اوقات کئی صدیاں صرف ہو جاتیں ہیں لیکن کسی قوم کے مزاج کو انقلاب کے بغیر یکسر تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔انقلاب کے لیے کم ازکم ایک عدد رہنماء کی ضرورت ہوتی ہے جو عوام کو قوم بنا کران کے شعور کو بیدار کرے ان کو جذباتیت سے نکال کر عقلیت کی طرف لے جائے۔ہماری عوام اس وقت انہیں مسائل کا شکار ہے۔ ہماری جذباتی قوم کا ٹیلنٹ ایس ایم ایس کرنے اور ٹک ٹاک بنانے میں صرف ہورہا ہے،قیام پاکستان سے لیکر آج تک ہم کو ایسے رہنما ملے جنھوں نے ایسا ماحول دیا کہ لوگوں کا شعور بیدار نہ ہو۔اس وقت بے حسی کا یہ عالم ہے کہ ہمارے سامنے کوئی خودسوزی کررہا ہو تو ہم اس کی ویڈیو بنا کر بریکنگ نیوز بنانے کی دوڑ میں اول آنے کے چکر میں یہ بھول جاتے ہیں کہ انسانی جان کی کیا اہمیت ہے؟ بھرے ہجوم کے سامنے نہتے اور معصوم بچوں کو چوڑا ہے پر تشدد اور بربریت کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور اس کے بعد ان کی لاشوں کی ایسی بے حرمتی کی جاتی کہ مسلمانیت کیا اس پر تو انسانیت بھی شرمندہ ہو جاتی ہے۔اس مکروہ عمل کے پیچھے بھی ہماری "جذباتیت" کارفرما ہے جو تحقیق کے بغیر ہی اپنا فیصلہ کردیتی ہے۔ ہماری اسی جذباتیت کا فائدہ ہمارے لیڈر، ملاں، جرنیل اور سرمایہ دار طبقہ اٹھا رہے ہیں۔ جب تک ہم جذباتیت کے کنویں سے نکل کر عقل کے سمندر میں غوطہ زنی کے لیے چھلانگ نہیں لگائیں گے ہم غلامی کی زنجیروں میں ایسے ہی جکڑے رہیں گے اور نتیجہ یہی برآمد ہوگا کہ نہ کرنے سے پہلے سوچیں گے اور نہ کرکے سوچنے کی ”حماقت“۔ جب تک ہم جذبائیت کی زنجیریں توڑ کر حقیقت پسندی کا دامن نہیں تھامیں گے اشرافیہ غریب عوام کو اسی طرح اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتی رہے گی۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

27-01-2020